سیرتِ طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم

اختر الواسع

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

محترم حکیم محمد سعید صاحب کی
خدمت میں
خلوص کے ساتھ۔
شاہد علی خان

سیرت طیبہ ﷺ میں سماجی انصاف کی تعلیم

پروفیسر اختر الواسع

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

معین الدین حارث میموریل سیرت لیکچر

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202002

پہلی بار: اگست ۱۹۹۴ء   تعداد 500   قیمت: =/10

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

پیش لفظ

مقام مسرت ہے کہ انجمن اسلام (بمبئی) جس کا قیام ۲۱ فروری ۱۸۷۴ء میں عمل میں آیا، آج اسے ایک سو پندرہ سال سے زائد ہو رہے ہیں۔ ملک کے اس ممتاز ادارے نے جہاں قوم و ملک کی ادبی و تعلیمی اور سماجی و ثقافتی خدمات انجام دی ہیں وہاں مسلمانوں میں بالخصوص تعلیمی اور تہذیبی شعور کو نہ صرف بیدار کیا ہے بلکہ اس کی صالح خطوط پر تربیت بھی کی ہے۔ جنگ آزادی، قومی ترقی اور ملکی بہبودی کے ساتھ تحفظ اور سالمیت میں ہماری انجمن اسلام کا حصہ دیگر قوموں کے سیاسی تہذیبی اور تعلیمی جماعتوں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہے۔

انجمن اسلام نے انسانی ذہن کی تربیت و تہذیب کے لیے ملک اور بیرون ملک کے نامور دانشوروں، مفکروں اور رہنماؤں کو دعوتِ فکر دے کر ان کے افکار و خیالات سے مستفیض ہونے کے مواقع فراہم کیے ہیں اور نتیجتاً

مسلمانوں کے ذہن کی خصوصیت کے ساتھ تربیت ہی نہیں بلکہ سیرت کی تشکیل اور کردار کی بلندی میں مددگار ثابت ہوئی ہیں اور اس طرح صحیح راستے پر چل کر تائید غیبی کے ساتھ اللہ کی مدد کی مستحق قرار پا سکیں۔ یہ سچ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی مدد کسی خاص ذات یا شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ انسان کے اعمال و اوصاف کے ساتھ اخلاق و کردار کے سبب حاصل ہوتی ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ انجمن اسلام نے نونہالان قوم کے لیے دینی تعلیم کا خاصا اہتمام کیا ہے اور اس طرح ان کے اخلاق کی تربیت اور کردار کی تعمیر پر پوری توجہ مبذول کی ہے تاکہ وہ ادارہ سے نیک اور صالح بن کر نکلیں اور زندگی کے ہر شعبے میں باعزت زندگی گزار سکیں۔

انجمن اسلام نے سیرت پاک کے جلسوں کا اہتمام ابتدا ہی سے کیا ہے تاکہ ہمارے قوم کے افراد سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ذکر سے اپنے ایمان کو تازہ اور روح کو سیراب کرتے رہیں اور سعادت دارین حاصل کرتے رہیں۔ میلاد خوانی کے ساتھ سیرت پاک کی مجلسوں کی روداد ۱۹۱۰ء سے محفوظ ہے۔ موجودہ شکل میں سیرت النبی کی تقاریر کا سلسلہ ۱۹۸۰ء میں ہمارے انجمن اسلام کے سابق صدر مرحوم معین الدین حارث صاحب کے توسط سے ہوا۔ مرحوم حارث صاحب نے ۱۹۷۷ء میں صدارت کے عہدہ پر فائز ہوتے ہی مبلغ دس ہزار روپے انجمن اسلام کے حوالے ذیل کے شرائط کے ساتھ کیے۔

(الف) اس رقم کو مستقل سرمایہ کے طور پر محفوظ کر دیا جائے۔

(ب) اس کی آمدنی سے ہر سال سیرت پاک پر تقاریر کے سلسلہ کا اہتمام کیا جائے۔

(ج) ملک کے کسی عالم و فاضل کو دعوت دے کر سیرت النبی سے متعلق کسی ایک موضوع پر اردو یا انگریزی میں تقاریر کا انتظام کیا جائے۔

(د) ان اردو یا انگریزی تقاریر کے مسودوں کو حاصل کیا جائے اور مجلس عاملہ کی ہدایت پر کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

(ہ) اور سیرت پاک سے متعلق کسی پایہ کی کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں بشرط گنجایش مالی امداد سے گریز نہ کیا جائے۔

حارث صاحب کے اس نیک مقصد کو بڑھاوا دینے کے لیے ہماری انجمن اسلام کے نائب صدر عزیز بھائی صاحب نے دو ہزار اور جناب اسمٰعیل کا نگا (سفیر ہندستان) نے بھی دو ہزار کی رقم عنایت کی اور آج مبلغ چودہ ہزار روپے محفوظ سرمایہ میں جمع ہیں۔

فخر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی، ناظم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) نے ۱۹۸۰ء سیرت النبی کے تعلق سے تقاریر کے سلسلہ کی ابتدا کی یہ تقریر "سیرت نبویؐ کے مطالعہ کی دعوت" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ دوسرا خطبہ جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب، مشیر تعلیم ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی (دہلی) اور سابق پرنسپل، صابو صدیق پالی ٹکنک اور سابق معتمد عمومی، انجمن اسلام (بمبئی) نے بزبان انگریزی کی جس کا اردو ترجمہ محسن عالم کے نام سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، ڈائرکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) نے دو خطبے دیے۔ یہ دونوں خطبے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ برہانی کالج (بمبئی) کے پرنسپل پروفیسر غلام محمد نے انگریزی میں "غربت کے مسائل" سے متعلق اظہار خیال فرمایا۔ اور ۱۹۸۶ء میں پروفیسر مشیر الحق صدر، شعبۂ عربی، فارسی و اسلامیات، جامعہ

ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) نے تقریر کی۔ اور ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، صدر شعبۂ عربی دہلی یونی ورسٹی نے "عالم بشریت کے لیے سیرت طیبہ کی اہمیت" پر اردو زبان میں بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ بعد ازاں سکھ مت کی تاریخ کے ماہر اور مشہور دانشور ڈاکٹر ایس۔ گوپال سنگھ گورنر گوا نے انگریزی میں ایک بلیغ خطبہ پیش کیا، جس میں آپ نے اسلامی تعلیمات کی اہمیت و معنویت کو اجاگر کیا۔

۱۸ جون ۱۹۹۱ء کو جناب اختر الواسع، پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے انجمن کی دعوت پر معین الدین حارث یادگاری خطبۂ سیرت "سیرت طیبہؐ میں سماجی انصاف کی تعلیم" کے موضوع پر دیا۔ یہ خطبہ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہو جائے گا معروضی بھی ہے اور پُر از معلومات بھی۔ پروفیسر اختر الواسع نے یہ خطبہ ایک ایسے وقت میں پیش کیا تھا جب اس ملک میں "ذات پات" کے نام پر ایک نئی سیاسی و معاشرتی صف بندی کا آغاز ہو رہا تھا اور انھوں نے اپنے عالمانہ خطبہ میں کسی خاص واقعہ یا تحریک کا براہ راست حوالہ دیے بغیر جس دلسوزی و دردمندی کے ساتھ سیرت طیبہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اسلام کی آفاقی تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے، اس نے اس وقت تمام سامعین کو بے حد متاثر کیا تھا اور مجھے قوی امید ہے کہ اب تمام قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

عزیزی پروفیسر اختر الواسع محض کتابی عالم نہیں ہیں بلکہ اپنی طالب علمی کے دور سے انھوں نے قومی و ملّی معاملات میں اپنی زبان، قلم اور عمل سے اپنے کو سرگرمی کے ساتھ وابستہ رکھا ہے اور کم عمری ہی میں کافی نام کمایا ہے۔ وہ ایک بلند پایہ مقرر، ایک اچھّے ادیب اور ہمارے نوجوان دانشور ہیں۔ میں ان کی اور زیادہ کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

کی طرف سے اس خطبہ کی اشاعت پر انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی میں میرے دیرینہ کرم فرما جناب شاہد علی خاں، جنرل مینجر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کا مشکور ہوں کہ موصوف نے اس خطبہ کی اشاعت کی ذمہ داری کو قبول فرماکر مرحوم حارث صاحب کے نہ صرف جامعہ ملیہ اسلامیہ سے دیرینہ تعلق بلکہ خود اپنے بھی مرحوم سے اور انجمن سے محبّت و تعلقات کا بھرم رکھا اور انھیں مزید مضبوط و مستحکم بنایا ہے۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ علم نواز اور مخیّر حضرات جو اسلامی تعلیمات اور حیات طیبّہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت اور ترویج میں دلچسپی رکھتے ہیں، عیدین اور خوشی کے دیگر مواقع پر ان خطبات کے تقسیم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا

صدر

انجمن اسلام، بمبئی

پیش گفتار

جناب ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا صاحب، جناب عبد المجید پاٹکا صاحب
ڈاکٹر گوریکر صاحب، محترم خلیفہ ضیاء الدین صاحب، محترم یوسف علی
پردھان صاحب، جناب قاری زبیر احمد صاحب، خواتین و حضرات!

میں انجمنِ اسلام کے قابل صد احترام صدر، جو میری خوش بختی ہے کہ اس مجلس کی صدارت بھی فرما رہے ہیں، کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں آج معین الدین حارث یادگاری خطبۂ سیرت دوں۔ مجھے اپنی کم علمی، بے بضاعتی کا اگر ایک طرف احساس ہے تو دوسری طرف سیرت طیّبہ کے بحرِ ذخّار کی لامتناہی وسعتوں اور گہرائیوں کا فکر مندی کے ساتھ خیال بھی۔ لیکن یہ ایک ایسی عزّت و سعادت ہے کہ جسے فلاحِ دنیوی اور نجات اخروی کے خیال سے چھوڑنا کفرانِ نعمت ہوتا۔ اس لیے میں نے اپنے محترم بزرگ ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا صاحب کی دعوت کو ممنونیت اور شکریے کے جذبات کے ساتھ قبول کرلیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ!

کس مُنہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

انجمن اسلام، ہمارے ملک میں نہیں بلکہ برّصغیر میں تعلیمی، معاشرتی اور اصلاحی و فلاحی میدانوں میں عظیم الشان خدمات کا ایک قابل تقلید ادارہ

ہے۔ اس کے عظیم بانیوں اور معماروں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ان کو جان کر بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر جمخانہ والا صاحب کی رہنمائی اور ان کے رفقا کی سرگرمیٔ عمل سے انجمنِ اسلام اور جہانِ تازہ آباد کرے گی اور ان اہلِ نظر کی بدولت تازہ بستیاں آباد ہوں گی۔

مرحوم معین الدین حارث صاحب، ہمارے ملک میں اسلامیت اور ہندستانیت کا ایک ایسا نمونہ تھے جو اگر ایک طرف اسلام کی عظمت کا امانت دار تھا تو دوسری طرف اپنے وطن کا والہ وشیدا بھی۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک ایسے قابلِ فخر فرزند معنوی تھے، جس نے ہمیشہ سفر کو دین اور قیام کو کفر جانا اور کنار موج میں آسودگیٔ ساحل حاصل کی۔ یہ سلسلۂ خطبات سیرت ان کی تحریک پر شروع ہوا تھا اور بعد میں انجمن اسلام نے اس کو ان کے نام سے منسوب کر کے پیغمبرِ اسلام کے اس عاشقِ صادق کو جو خراج عقیدت پیش کیا، اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا تھا۔

اس خطبہ کا موضوع جو میں نے منتخب کیا وہ "سیرتِ طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم" ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس موضوع کے ساتھ انصاف کر بھی سکا یا نہیں لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ آج دنیا اور خود ہندستان جس بحران سے دوچار ہے، اس کا حل صرف اور صرف اسوۂ رسول کریم میں ہی ہے اور کہیں نہیں۔

بمبئی: ۱۸ جون ۱۹۹۱ء

اختر الواسع
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

سماجی انصاف کے جو تصورات ہمارے زمانے میں رائج ہیں ان کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ جدید سائنسی علوم کے ترجمانوں کا خیال ہے کہ اٹھارہویں صدی میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی باہمی چپقلش سے اکتا کر لوگوں نے اجتماعی فلاح کا ایک ایسا راستہ تلاش کیا جو فرقہ وارانہ یا گروہی اختلافات پر غالب آسکے۔ یہ راستہ تھا روشن خیالی کا، عقلیت پسندی کا اور سیکولرزم کا۔ سیکولرزم سے ان کی مراد، مذہب دشمنی نہیں بلکہ ایک ایسا معاشرتی نظام تھا جو مذہبی امتیاز کی بنیاد پر کسی ایک فرقے کو دوسرے پر ترجیح نہ دے، جو ہر فرقے کے حقوق کا احترام کرتا ہو، جہاں کسی طرح کے نظریاتی تعصب کی گنجایش نہ ہو۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ قدیم معاشرے جو مذہبی قوانین اور ضابطوں کی گرفت میں تھے ان میں سماجی انصاف کا قیام شاید ممکن نہیں تھا۔ لیکن حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے۔

سیکولرزم کا مذہب کے روحانی و اخلاقی پہلوؤں سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ ایمان اور ایقان کے تحفظ اور سماجی انصاف کے اصولوں کی پابندی میں کسی طرح کا تضاد نہیں۔

اصل مسئلے کی طرف آنے سے پہلے یہاں ایک اور مسئلے کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علاّمہ اقبال یورپ جاتے ہوئے اٹلی میں مسولینی سے ملے تھے۔ علاّمہ اقبال سے گفتگو کرتے ہوئے اس نے آبادی میں بے حد و حساب اضافے سے پیدا ہونے والے مسئلوں کا ذکر کیا۔ اس پر علاّمہ اقبال نے کہا۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ کسی شہر کی آبادی جب ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو نئے شہر بسانے چاہییں۔

جس طرح سماجی انصاف کے جدید تصورات کا تعلق جدید دنیا سے ہے اسی طرح آبادی میں غیر متوازن اور غیر متناسب اضافے سے پیدا ہونے والے ذہنی، نفسیاتی، تمدنی اور معاشی مسئلوں کا تعلق بھی جدید دنیا سے ہے۔ لیکن اگر ہم ان مسئلوں کے لیے عہدِ رسالتؐ اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تناظر کی حیثیت دیں تو اندازہ ہوگا کہ اس عہد اور ہر عہد کے انسانوں میں سب سے بڑے انسانؐ کی سیرت و شخصیت کے حوالے سے ان مسئلوں کی کچھ نئی جہتیں سامنے آتی ہیں۔

تاریخی ارتقاء اور تہذیبی تغیّرات کے باعث انسانی صورت حال کبھی بھی یکساں نہیں رہتی لیکن سچّی اور بڑی انسانی بصیرت صرف ایک عہد یا وقت کے ایک دائرے کی پابند نہیں ہوتی۔

سچی اور بڑی بصیرت وقت اور مقام کی تمام حدوں کو عبور کرتی ہوئی انسانی تاریخ اور تہذیب کی اجتماعی طاقتوں کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ سچی اور بڑی بصیرت علم اور عرفان کا وہ حرف لازوال ہے جس کی معنویت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ سچی اور بڑی بصیرت انسانی فلاح اور بہبود کے ایسے عناصر سے منور ہوتی ہے جو انقلابات اور تصادمات سے بھری ہوئی دنیا میں کبھی ماند نہیں پڑتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب زمانے میں انسانی تاریخ جس عظیم الشان تہذیبی تجربے سے دوچار ہوئی، طبیعی اور فکری سطح پر انسانیت کی بقا کے جو ضابطے سامنے آئے ان میں ایسی زرخیزی ہے کہ ہر عہد اس سے فیض یاب ہو سکتا ہے اور ان میں ایسی توانائی ہے کہ کوئی بھی زمانہ چاہے وہ کتنا ہی گمراہ کیوں نہ ہو جائے اس توانائی سے محرومی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے زندگی کے لیے جو دستور العمل بنایا تھا اور اس دستور العمل کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی ترقی کا جو نمونہ فراہم کیا تھا اس کی معنویت آج بھی مستحکم ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اجتماعی ترقی کے اس تصور میں جس سے دنیا چودہ سو سال سے بھی پہلے بہ صورت اسلام روشناس ہوئی اور اجتماعی ترقی کا وہ تصور جو انیسویں صدی میں سائنسی فکر اور جدلیاتی مادیت کے حوالے سے ہم تک پہنچا، ان دونوں میں صرف زمانی فاصلہ ہی نہیں ہے بلکہ مزاج اور نوعیت کا بھی بہت واضح فرق ہے۔ انیسویں صدی کے اجتماعی تصورات نے اپنے

قیام اور استحکام کے لیے سب سے پہلے فرد کی حیثیت اور انفرادی آزادی کے تصوّر پر ضربیں لگائیں۔ اس طور پر یہ تصورات افراد کی قربان گاہ بن گئے اور ان سے اجتماعی فلاح کے جس آئین کا ظہور ہوا اس میں فرد کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی۔ علاّمہ اقبال کے لفظوں میں یہ کوشش تھی "معدوں کی مساوات" کا ایک سطحی نظام مرتّب کرنے کی۔ اس نظام میں انفرادی و مادّی ضرورتوں کی تکمیل کے وسائل تو موجود تھے مگر کس قیمت پر؟

بیسویں صدی کے ان آخری برسوں میں ہم اس نظام کی طرف سے جس عالمگیر بے اطمینانی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں، اس کے اسباب کو سمجھنا زیادہ مشکل نہیں۔ اس کے برعکس ظہور اسلام کے ساتھ اجتماعی تہذیب کا جو خاکہ سامنے آیا اس کے مطابق معاشرہ ایک ایسا دائرہ تھا جس میں ہزاروں انفرادی دائروں کی سمائی ممکن تھی، ان کی ہیئت اور ماہیت میں کسی بھی تخفیف کے بغیر۔ اس معاشرے میں انفرادی آزادی کی بقا کے ساتھ ساتھ اجتماعی آزادی کا قیام ممکن تھا۔ یہ معاشرہ اجتماع تھا مختلف خود کفیل اور قائم بالذّات اکائیوں کا۔ یہ معاشرہ اجتماع تھا مختلف انفرادی آزادیوں کا۔ اس معاشرے کو اپنی آزادی کے تحفظ کی خاطر کسی فرد کی آزادی میں تخفیف کی ضرورت نہیں تھی۔ بیسویں صدی کے بعض مفکّروں نے انفرادی اصلاح و تہذیب کے تصوّرات پر جو زور دیا ہے کہ اگر افراد درست ہوں گے تو معاشرہ خود بخود درست ہو جائے گا مثلاً مذہبی وجودیت کے علمبرداروں میں اکرکے گارسے لے کر مارٹن بوبر،

تک سب کے سب فرد کی آزادی، فرد کی تربیت کے واسطے سے معاشرے کی آزادی اور معاشرے کی تربیت کا خواب نامہ سامنے لائے ہیں۔ ہمارے صوفیاء، ہمارے قدیم سماجی مصلحین نے اپنے اپنے طور پر اسی خواب نامہ کی بشارت دی تھی اور اگر پچھلی چودہ صدیوں میں انسانی ارتقاء کی صورتوں کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ اس خواب نامہ کی سب سے مضبوط بنیاد سیرت طیبہؐ اور ظہور اسلام کے ساتھ سامنے آنے والے معاشرتی نظام نے فراہم کی تھی۔

یہاں ایک حقیقت کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ غیر مشروط انفرادی آزادی کا تصوّر یکسر بے معنی ہے۔ انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں انفرادی آزادی کا کوئی بھی تصوّر مکمل طور پر آزاد نہیں رہا، ہر مثبت اور صحت مند آزادی بعض پابندیوں کے دائرے میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ غیر مشروط آزادی صرف ابتری اور نراج کی طرف لے جاتی ہے۔ غیر مشروط آزادی انسان کے مادّی مفادات اور انسان کے ذہنی اور جذباتی مقاصد کو نہ تو کوئی سمت عطا کرتی ہے اور نہ ان پر کوئی حکم لگاتی ہے۔ مکمل انفرادی آزادی کا تماشہ مغرب کے بعض معاشروں میں آج دیکھا جا سکتا ہے جہاں افراد اپنے اجتماعی نظام کے قیام اور استحکام میں معاون نہیں ہوتے بلکہ اس نظام کے قیام اور استحکام کو تباہ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ سیرت طیبہؐ نے ہر ترقی کی میزان ایک اخلاقی ضابطے کو بنایا ہے۔ یہ ضابطہ فرد اور اجتماع میں کسی طرح کا تصادم پیدا نہیں ہونے دیتا بلکہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں رکھتا ہے۔

۲

مرکزیت سے محروم اور انتشار و ابتلا سے دوچار اس عالمی تناظر میں اگر ہم سیرت طیبہؐ کی جانب مراجعت کرتے ہیں تو اس کی قربت کی اوّلین ساعتوں ہی میں ہم پر انکشاف ہو جاتا ہے کہ سیرت مقدّسہ کی جانب توجّہ در اصل ہمیں قرآن حکیم کی جانب لے جا رہی ہے کیونکہ قرآن حکیم منشائے الٰہی ہے اور اسوۂ رسولؐ اس کے متن کی تشریح۔ یاد کیجیے امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ کا یہ قول کہ قرآن علم ہے اور سیرتِ رسولؐ اس کا عملی نمونہ ۔ اور پھر قرآن حکیم ہی کی پیش کردہ یہ شہادت کہ "وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی کی بنا پر کہتے ہیں جو ان پر نازل کی جاتی ہے"، اور شعور نبوّت کے سرمایۂ عظیم یعنی احادیث پاک، جو در اصل قول و عمل رسولؐ ہیں، کے بعد جب ہم خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو بہ یک نظر صاف دکھائی دے جاتا ہے کہ سیرت رسولؐ کی بے پایاں قوتوں نے ان کے کردار و عمل میں ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ خود رسولؐ نے ان کے بارے میں وصیّت فرمائی کہ شدید اختلاف کے وقت ان کو رہنما بنائے رکھنا اور مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ گویا اپنی حیات مقدّسہ ہی میں، اپنے قابل تقلید پیروکار تیار کر کے، اس سراپا رحمتؐ، مثالی اخلاق کے پیکرؐ، انسان کامل رسول اللہؐ

نے اپنی ذات منوّر سے ظلم و ظلمت اور جہالت وضلالت کی دبیز ترین تہوں کو کاٹ کر انسان کو خدا شناسی و خود شناسی کی آگہی و معرفت بخشی۔

اسی معرفت و آگہی کے ذریعے انسان کو اس کرب ذات اور اور ذہنی اذیت سے نجات ملی جو کچھ مذہبی عقائد نے اس کو "گناہ گار ازلی" قرار دے کر پیدا کر رکھی تھی اور جس کے نتیجے میں یہ نفسیاتی پیچیدگی پیدا ہوئی کہ!

زندگی کیا ہے گناہ آدم ۔ زندگی ہے تو گنہ گار ہوں میں

لیکن قرآن کریم نے نبی آخر الزماںؐ کے ذریعے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ ہر بچّہ اپنی پیدائش کے اعتبار سے معصوم ہوتا ہے اور کسی کا گناہ کسی کی طرف وراثتاً منتقل نہیں ہوتا، پھر گناہ کوئی ہمیشہ کے لیے چمٹ جانے والی چیز نہیں بلکہ برائیوں کے اثر کو نیکیاں زائل کر دیتی ہیں اور زندگی کا رخ صحیح طرف کر لینے، یعنی توبہ کے ذریعے، کامیابیوں اور کامرانیوں کے نئے نئے راستے کھل جاتے ہیں۔ غرض اس طرح سابقہ مذہبی و نیم مذہبی روایتوں کے زائیدہ زوال آدم کے قصّے کو قرآن نے عروج و کمال آدمؑ کی داستان بنا کر پیش کیا اور انسانی ذہن سے نہ صرف "احساس گناہ" کو دھو دیا بلکہ یہ نوید بھی سنائی کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، کائنات کی قوتوں اور اس کے اسرار کا امین ہے نیز خدا کے نائب کی حیثیت سے "تخلقوا باخلاق اللہ" اس کا منشور حیات ہے۔ اس طرح انسان کو اس کا شرف بتا کر نبی کریمؐ نے ایک ایسی شریعت عطا کی جس میں رجا بھی ہے اور ارتقا بھی اور

جس میں یاس اور قنوطیت کو کفر قرار دیا گیا۔ توحید کا عقیدہ یاس اور حزن وخوف کا علاج کرتا ہے۔ اس عقیدۂ توحید سے ایمان ویقین کی وہ دولت میسر آتی ہے جو نہ صرف وحدتِ الٰہ بلکہ وحدتِ آدمؑ کا بھی عقیدہ رکھتی ہے توحید پر ایمان کی یہ پختگی انسانی کردار کو وہ توانائی بخشتی ہے جس سے نہ صرف دنیا بلکہ دل بھی مسخر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سیرت محمدؐ کا مقصود بنی نوع آدم میں حریت، مساوات اور اخوت کی تشکیل و تاسیس ہے۔ یہ حریت محض سیاسی آزادی سے عبارت نہیں بلکہ ہر اس غلامی سے آزادی کا اعلان ہے جو احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور ضبط نفس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے۔ چاہے وہ حکمراں کی غلامی ہو یا مذہبی اجارہ داروں کی غلامی۔ اس لیے کہ ہر قسم کی خارجی پابندیاں انسان کی انفرادیت کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکتی ہیں۔

اسی طرح ہر آزادی بے معنیٰ ہے جب تک مساوات اور اخوت کا فقدان ہو۔ بغیر مساوی وسائل، مساوی حقوق اور مساوی فرائض کے آزادی، صرف ایک منفی قدر اور نعرۂ محض بن کر رہ جاتی ہے۔ مساوات کے بغیر نہ تو تکمیل ذات ممکن ہے اور نہ ہی ملت وجود میں آسکتی ہے۔ پیغام محمدیؐ کی روح انسانی معاشرے سے بندہ و آقا کی تمیز کو ختم کرنا چاہتی ہے کیوں کہ یہ تمیز اس کے نزدیک فساد آدمیت ہے اس لیے حقیقی اسلامی معاشرے میں تو ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ مساوات سے بھی آگے کی ایک اور منزل اخوت

کی ہے۔ اخوت کے بغیر مساوات نہ تو مکمل ہوتی ہے اور نہ ہی فائدہ مند۔ موجودہ جمہوری نظام مساوات کا دعویدار ہے لیکن مشاہدہ یا مطالعہ ہی نہیں تجربہ بھی بتاتا ہے کہ آج کی جمہوریت حقیقی مساوات سے کس قدر دور ہے۔ اس کی وجہ جذبۂ اخوت کا فقدان ہے۔ دوسروں کو اپنے برابر کہنا اور بات ہے اور دوسروں کو اپنا بھائی سمجھنا چیزے دیگر است جبکہ رحمۃ للعالمینؐ کی پاک زندگی اور تعلیمات ہمیں زفرق تا بہ قدم اخوت کا بیاں اور محبت کی زباں بتانا چاہتی ہیں بقول شاعر اقبال:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

حریت، مساوات اور اخوت ہی وہ تین بنیادی عناصر ہیں جن کی وحدت سے سماجی انصاف وجود میں آتا ہے کیوں کہ سماجی انصاف کوئی ایسی چیز نہیں جسے کسی معاشرے پر باہر سے تھوپا جا سکے۔ انصاف ایک اخلاقی موقف، ذہنی رویے اور طرز عمل کا نام ہے۔ انصاف کا تصور پہلے ایک بیج کی طرح فرد کی خاک باطن میں پروان چڑھتا ہے اور اندر ہی اندر ایک طویل روحانی و اخلاقی تربیت کے بعد ایک پودے کی شکل میں سر ابھارتا ہے۔ کوئی بھی قانون اور کوئی بھی انتظامی اقدام کسی ایسے معاشرے کو جو اپنے مزاج کے اعتبار سے ذات، برادری اور فرقوں کی تفریق کا شکار ہو، سماجی انصاف سے بہرہ ور نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس معاشرے کے افراد اپنے اندر دوسروں کے لیے خود گنجائشیں پیدا نہ کریں اور یہ گنجائشیں اس روحانی و اخلاقی قلب ماہیت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتیں جو اسلام کی تہذیبی تربیت گاہ اور اس کے

رسول برحق محمدﷺ کے آغوشِ رحمت کے سوا اور کہیں ممکن نہیں۔

۳

محسن انسانیتﷺ کی سیرت طیبہ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ صرف خیرات ہی نہیں بلکہ ہر کارِ خیر گھر کی چہار دیوار کا سے شروع ہونا چاہیے اس لیے آپﷺ نے ہر شخص کو اپنی خانگی زندگی بہتر بنانے کی تعلیم دی۔ کیوں کہ جب تک گھر یعنی معاشرے کی بنیادی اکائی، سچی خوشی اور واقعی سکون سے منور نہیں ہوگا اس وقت تک معاشرہ، بھلا کس طرح امن و خیر سگالی کا گہوارہ بن سکتا ہے؟ اگر لوگ اپنے گھروں ہی میں انصاف نہیں کر سکتے تو وہ پھر سماج میں کس طرح کوئی منصفانہ کردار ادا کر پائیں گے۔ اسی لیے ارشاد نبویﷺ ہے:

> "تم اپنے انساب کا علم حاصل کرو، جس سے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کر سکو کیوں کہ صلۂ رحمی گھر والوں سے محبت، مال میں زیادتی اور عمر میں اضافے کا سبب ہے۔"

یہ صلۂ رحمی کیا ہے... ؟ اس کی وضاحت بھی جناب رسالت مآبﷺ نے اس طرح بیان فرمائی کہ اہمیت بھی آشکار ہوگئی۔ آپﷺ سے روایت ہے:

> "رحم (خونی رشتہ) رحمٰن کی (رحمت) ہی کی ایک شاخ ہے۔ اللہ نے فرمایا جو صلہ رحمی کرے گا میں اس سے



منتخب 112 استنباطی مضامین قرآن (بحوالہ آیات، سورۃ)

میں سے چند اہم عنوانات کی جھلکیاں

اسلام کا نظامِ اعتقادات ☆ اسلام کا نظامِ عبادات ☆ اسلام کا نظامِ نظافت ☆ اسلام میں سنت رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت وعظمت ☆ اسلام میں نظریہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حقیقت آمیز تجزیہ ☆ اسلام کا نظامِ امن ☆ قرآنی حقائق کا تاریخ سے موازنہ چہ معنی دارد؟ ☆ اسلام، عقل اور سائنس ☆ اسلام میں نظریہ رؤیتِ ہلال اور سائنسی استدلالات ☆ وحی رسالت اور وحی بمعنی الہام والقاء کے متعلق شرعی حقیقت ☆ اسلام کا نظامِ محنت ☆ اسلام کا نظامِ معیشت اور طبقاتی نظام (موازنہ) ☆ نظریاتی وتہذیبی اختلاف کے فکری نتائج ☆ اسلام میں حقوق نسواں ☆ عالمی معاشی وباء (سودی نظام) ☆ معاملات کے لین دین کا قانونی نظام ☆ بین المذاہب مکالمہ ☆ فرقہ واریت کی اُصولی بحث ☆ اسلام کا نظامِ عفت وپاکدامنی ☆ اسلام کا نظامِ میراث ☆ اسلام کا نظامِ تجارت اور اس کے رہنما اُصول ☆ احکامِ دین کا عملی وقانونی نفاذ ☆ عزیمت اور رخصت کا حکیمانہ اُسلوب ☆ وکالتِ باطلہ وصحیحہ ☆ اسلام میں نظامِ عدل وانصاف مع نظامِ شہادت ☆ حلال وحرام اور نظریہ شریعت ☆ مشروط امن معاہدے اور اسلام کی دفاعی وخارجہ پالیسی ☆ فلسفہ انقلابِ احوال ☆ جامعیت قرآن کی ہمہ جہتی حقیقت ☆ حکمت اور موعظہ حسنہ ☆ اسلام کا اخلاقی نظام ☆ اسلام کا نظامِ حکومت ☆ اختلاف رائے او رآزادی رائے ☆ نظریہ جہاد اور اس کی حکمت مع حدود وقیود ☆ عورت کی حکمرانی کے خلاف پہلی احتجاجی آواز ☆ قواعد واُصول وقتی نہیں ہوتے ☆ اسلام اور تربیت اولاد ☆ اسلام اور نظریہ تعلیم وفن ☆ ناموس رسالت ، آداب، محبّت وعشق رسول ﷺ ☆ اسلام کا نظامِ طلاق ☆ اسلام اور سماجی خدمات ☆ اسلام اور حقوق العباد ☆ بیعت، تزکیہ نفس اور اصلاحی حقائق ☆ شریعت وطریقت ☆ کونسی جماعت برحق ہے؟ ☆ آدابِ معاشرہ کے اخلاقیاتی پہلو ☆ تحقیقِ حالات کا شرعی نظام ☆ تقلیدِ محمود کی آسان فہم حقیقت ☆ اسلام اور باقی مذاہب کا تقابلی جائزہ ☆ باطنی اعتبار سے عذابِ الٰہی کی بدترین قسم ☆ نظامِ حدود وتعزیرات ☆ نظامِ فطرت کے خدائی اُصول اور عقلیات کے بے لگام گھوڑے ☆ بحر وبر میں سبب فساد کا تجزیہ برحق ☆ فلسفہ عزت وذلت وغیرہ

اپنا رشتہ جوڑے رکھوں گا جو اس رشتہ کو کاٹ دے گا، میں بھی اس سے رشتہ کاٹ لوں گا۔"

سورۃ نساء میں دین کی جو دو اہم بنیادیں بتائی گئی ہیں وہ ہیں خدا ترسی اور رشتوں کا پاس و لحاظ۔ قرآن کہتا ہے "اللہ کی نافرمانی سے بچو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رشتوں کا پاس و لحاظ کرو۔" اس طرح سورۃ رعد میں اللہ رب العزت نے نیک بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کی ایک خوبی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ رشتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارے سچے بندے وہ ہیں جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے اور عہد (بندگی) توڑتے نہیں، جو ان رشتوں، جنھیں جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، جوڑے رکھتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے اور حساب کے برے نتائج سے خوف کھاتے ہیں۔" اسی حقیقت کی گونج ہمیں صحیحین کی اس روایت میں ملتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

"رشتوں کو توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

پھر معاملہ یہی نہیں رکھا کہ بھلائی کے بدلے بھلائی کا حکم دیا ہوتا بلکہ کہا گیا کہ یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی صرف بدلہ ہو گیا۔ صلہ رحمی تو یہ ہے کہ برائی کا سلوک اپنے ساتھ ہونے کے باوجود بھلائی کی جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

"صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو بدلے میں صلہ رحمی کرے۔ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑ لیا جائے تو وہ تب بھی رشتہ کا

حق ادا کرے،،

ان رشتوں میں ماں باپ بھی شامل ہیں، میاں بیوی بھی، اولاد بھی، اور دیگر تمام عزیز واقارب بھی۔ سیرت محمدؐ میں ان سب کے احترام، باہمی محبت، شفقت اور مروت وحسن سلوک کے عملی نمونے بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے سورۂ بنی اسرائیل میں والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا ذکر اپنی بندگی کے ذکر سے جوڑ دیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے ،،اور تمھارے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو، اگر تمھارے یہاں وہ دونوں یا اُن میں کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں ناگوار بات نہ کہو، نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ بات کرو، رحمت وشفقت سے ان کے لیے عاجزی کے بازو جھکادو اور کہو اے میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا،،

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ

،،ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے رسول خدا! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا: تمھاری ماں۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا: تمھاری ماں۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا: تمھاری ماں۔ اس نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا: اس کے بعد تمھارا باپ،،

ہر خاندان میں شوہر اور بیوی کا رشتہ محوری حیثیت رکھتا ہے اگر ان دونوں کے تعلقات خوشگوار رہیں تو گھر بھی جنّت کا نمونہ بن جائے گا

اولاد کی تعلیم و تربیت بھی صحت مند انداز پر ہو سکے گی۔ اس لیے قرآن حکیم نے سورۂ نساء میں اگر ایک طرف مرد کو عورتوں کے ذمّہ دار و نگراں کی حیثیت دی تو نیک عورتوں کی تعریف یوں بیان کی کہ وہ اطاعت شعار اور اپنے مردوں کی غیر حاضری میں ان کے مال اور آبرو کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی مردوں پر یہ ذمّہ داری بھی عائد کی کہ وہ اپنی بیویوں سے "شریفانہ برتاؤ" کریں اگر وہ انھیں "ناپسند" ہوں تب بھی کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ انھیں "کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں ان کے لیے "بہت بہتری رکھ" دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امّت کے تمام مردوں کو یہ وصیّت کی کہ

"عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں میری وصیّت قبول کرو۔"

اولاد کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے بہتر دینار جو انسان خرچ کرتا ہے، وہ ہے جو اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے۔۔۔۔۔"

ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"جب مسلمان اپنے گھر والوں پر اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ صدقہ ہوتا ہے"

اور معاملے کو صرف خرچ تک محدود رکھ کر والدین کو چھٹی نہیں دے دی گئی بلکہ یہ بھی کہا کہ

"کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اعلا اخلاق سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔"

اللہ کے رسول ؐ کی اس ہدایت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ

"تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں"

دیگر عزیز و اقارب کے بارے میں حالانکہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں لیکن یہاں ایک حدیث نبوی ؐ بالخصوص پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"غریب پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور رشتہ دار پر خرچ کرنے کا دوہرا اجر ہے، وہ صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی"

لیکن ظاہر ہے کہ انسان گھر کی چہار دیواری میں ہی تو قید نہیں رہ سکتا اور اسلام کا مقصد اسے کنوئیں کا مینڈک بنانا بھی نہیں ہے۔ اسی لیے سیرت طیبہ ؐ نے انسان کو صرف 'سماجی جاندار' نہیں سمجھا بلکہ یہ بتایا کہ اقوام کی تقدیر کیوں کر افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لیے ہر فرد کو مخلوق خدا کے ساتھ اپنے تعلقات بھی محبت و شفقت، مہربانی و رحمت کی بنیادوں پر استوار کرنے چاہییں۔ اسی لیے دکھوں کی ماری اس دنیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت اس حدیث قدسی کی ضرورت آج سے زیادہ شاید کبھی بھی نہ تھی کہ

"رحم کرنے والوں پر خدائے مہربان رحم فرمائے گا زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا"

اس حدیث قدسی کے متن اور مطالب سے واضح ہے،

رحم کے اس سلوک کو کسی کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ تمام بندگانِ خدا، مذہب، علاقے، زبان، رنگ اور نسل کی تفریق سے اوپر اٹھ کر اس میں شامل ہیں اور وہی کیوں بلکہ تمام مخلوقِ خدا بھی اس حدیث قدسی کے دائرے میں آجاتی ہے۔ کیوں کہ جو کچھ زمین پر ہے اس پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ چاہے "غلام کو آزاد کرانا ہو یا فقر و فاقہ کے دن رشتے دار یا یتیم یا خاک میں پڑے غریب کو کھانا کھلانا" وہ حیوان ہی کیوں نہ ہو، رسول رحمت ﷺ کی نظر میں" اللہ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔"

سورۂ بقرہ میں حسن سلوک کے ان معاملات کو عقائد و عبادات کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ خود ربّ العالمین کی مرضی و منشاء کیا ہے اور وہ اس کو کتنی اہمیت دیتا ہے کیوں کہ ایمان کی صداقت کا معیار بنا کر خدا ترسی اور تقوٰی کو پیش کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "نیکی و حق شناسی تو یہ ہے کہ انسان اللہ پر، آخرت پر، فرشتوں پر، (اللہ کی) کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان لائے، مال کو اس کی محبت کے باوجود عزیزوں یتیموں، غریبوں، سوال کرنے والوں کو دے اور غلاموں (کی رہائی) میں خرچ کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، جب عہد کرے تو عہد کو پورا کرنے والا ہو، تنگی، مصیبت اور جنگ کے موقع پر ثابت قدم ہو۔ ایسے ہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں اور وہی خدا ترس اور متقی ہیں۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اوصاف اپنی معراج کمال

کو پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیواؤں اور غریبوں کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والے کے مانند ہے، اور میرا خیال ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا، وہ شب بیداری کرنے والے کی طرح ہے جو کبھی نہیں تھکتا اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہے"۔

یتیموں کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا۔ یتیم اس کا رشتہ دار ہو یا اجنبی — جنت میں اس طرح سے قریب ہوں گے اور آپؐ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں میں ذرا سا فاصلہ رکھا"۔

اس کے برعکس جو یتیموں کے مال پر ناحق قبضہ جما لیتے ہیں ان کے دردناک حشر کے بارے میں صرف سورۂ نساء کی ایک آیت دیکھ لیجیے "جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے"۔

پڑوسیوں کے ساتھ خیر خواہی اور محبت کے سلوک کے بارے میں جو ہدایات ہمیں سیرت طیبہ ؐ سے ملتی ہیں وہ کسی بھی مثالی معاشرے کو وجود میں لانے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ

"جبرئیل مجھ سے پڑوسی کے بارے میں برابر تاکید کرتے

رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اسے ترکے کا مستحق ٹھہرا دیں گے،،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخدا وہ مومن نہیں ہے! بخدا وہ مومن نہیں ہے! بخدا وہ مومن نہیں ہے! پوچھا گیا کہ کون؟ اے رسول اللہؐ! فرمایا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو! ،،

اب تک سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ پیش کیا گیا وہ کوئی محض علمی و نظری چیز نہیں بلکہ ان تعلیمات کی بدولت کیا سماجی انقلاب ظہور پذیر ہوا، اس کی عملی تصویر بھی ایک واقعہ کے حوالے سے دیکھتے چلیں۔ جیساکہ آپ ہم سب جانتے ہیں کہ قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایما پر حبشہ ہجرت کر گئے تو مشرکین مکہ نے اپنے سفیر وہاں کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں اس غرض سے بھیجے تاکہ مہاجرین کو وہاں بھی پناہ نہ ملنے پائے۔ ان سفیروں نے نجاشی کے دربار میں کہا:

" اے بادشاہ! ہمارے یہاں کے کچھ ناسمجھ لڑکے بھاگ کر تیرے ملک میں آ بسے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور تیرے دین کو بھی نہیں اپنایا بلکہ یہ اپنی جانب سے گھڑ کر ایک ایسا دین لائے ہیں جو ہمارے لیے بھی اجنبی ہے اور تیرے لیے بھی۔ ہمیں ان کی قوم کے معززین نے جن میں ان لڑکوں کے باپ،

چچا اور دوسرے اعزا بھی شامل ہیں تیرے پاس بھیجا
ہے تاکہ تو انھیں ان کے پاس واپس بھیج دے۔ وہ
ان لڑکوں سے زیادہ بالغ نظر واقع ہوئے ہیں اور یہ جن
چیزوں کی بابت اعتراض کرتے اور انھیں بُرا بھلا کہتے
ہیں ان کو وہ ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔"

جب نجاشی نے مہاجرین سے ان کا موقف جاننا چاہا تو مہاجرین کی نمایندگی جو کہ دراصل اسلام کی نمایندگی تھی، اور اس بات کا ثبوت بھی کہ اس ابتدائی دور میں مکے کے معاشرہ میں نبی امّی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں اور اللہ کے فضل سے کتنی اور کیسی انقلاب انگیز تبدیلی رونما ہو رہی تھی، کرتے ہوئے حضرت جعفر طیارؓ نے فرمایا:

"اے بادشاہ! ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا
کرتے تھے، مردار کھاتے اور بدکاریاں کرتے تھے
خونی رشتوں کا پاس ولحاظ نہ کرنا اور پڑوسی کے حق
سے غافل رہنا ہمارا شعار تھا۔ ہم میں سے جو طاقتور
ہوتا وہ کمزوروں کا خون چوستا تھا ہم اس حال
میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک کو ہماری جانب
پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ہم اس کے حسب ونسب، اس کی
صداقت شعاری، امانت داری اور پاک بازی سے اچھی
طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، اسے
ایک جاننے اور اسی کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔
اس نے ہم سے کہا کہ ہم ان پتھروں اور بتوں کی پوجا

ترک کر دیں جن کو ہم اور ہمارے آباء، اللہ کے سوا پوجتے رہے ہیں۔ اس نے سچ بولنے، امانت داری، صلہ رحمی اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اور خوں ریزی اور بے حرمتی سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس نے فحش، دروغ گوئی، یتیم کا مال کھانے اور شریف عورتوں پر تہمت طرازی سے منع کیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں۔ ......"

یہی وہ حق و صداقت پر مبنی نمائندگی تھی جس کا مشرکین مکہ کے سفیروں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے لیکن اس تقریر سے ہمیں خود بھی ایک ایسی داخلی شہادت مل جاتی ہے کہ جس سے ہم اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کام کی نوعیت اور اس عملی تبدیلی کو سمجھ سکیں اور دیکھ سکیں جو سماجی انصاف پر مبنی ایک مثالی معاشرے کو وجود میں لانے کے لیے آپ نے کیا اور بعد والوں کے لیے قابل عمل کر دکھایا۔

۴

سیرت طیبہ ﷺ سے ہم نے ابھی معاشرتی حقوق و فرائض کی وہ کچھ اہم ترین جھلکیاں فکری و عملی سطح پر دیکھیں جن کے بغیر کوئی متوازن

ومناسب اور خیر و عدل پر مبنی سماج وجود ہی میں نہیں آسکتا جہاں وحدتِ الٰہ، وحدتِ آدم، وحدتِ افکار اور وحدت کردار سے وہ مثالی انسان تیار ہوتا ہے جو ہر ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا ہے اور انصاف کے قیام اور استحکام کے لیے ہمہ تن جد و جہد کرتا ہے کیوں کہ سراپا رحمت پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تمھارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"ظلم قیامت کے دن ظلمات کی شکل میں آئے گا"

اور ظلم کی شکل صرف یہی نہیں ہے کہ کسی کو جسمانی اذیت دی جائے بلکہ کسی کی عزّت نفس کو ٹھیس پہنچانا، قلبی کشاکش اور ذہنی کشمکش میں بلاوجہ کسی کو مبتلا کرنا بھی ظلم ہی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کو اگر کفر قرار دیا تو گالی کو فسق بنایا، چغل خوری، غیبت، تکبّر غصّہ وغضب کی مذمت فرمائی کیوں کہ یہ سب یا تو واضح طور پر ظلم کے زمرے میں آتی ہیں یا پھر ظلم کا سبب بنتی ہیں۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی سیرت سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جو لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو اللہ ان پر عذاب نازل کرتا ہے۔ یہاں یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہیے کہ ظلم، انصاف کی ضد ہے اور اسلام میں اسی لیے کسی بھی طرح کے ظلم کو روا نہیں رکھا گیا۔ یہاں تک کہ عصبیت کی بھی اسی بنیاد پر

رسول اللہ ﷺ نے صاف صاف مخالفت کی کیوں کہ یہ گروہی، نسلی، لسانی اور علاقائی تعصب بھی اکثر مظالم کا باعث بنا ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا! عصبیت کیا ہے؟ فرمایا! عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم کے معاملے میں مدد کرو۔"

اس کے برخلاف سیرت طیبہ ﷺ انصاف کی مکمل طور پر حامی ہے اور انصاف کا یہ دائرہ کسی طرح کی حد بندی قبول نہیں کرتا۔ سورۂ مائدہ میں ہے "اور کسی گروہ کی عداوت تمھیں اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کر دے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی بات خدا ترسی سے قریب ہے۔" کیونکہ بلاشبہہ "اللہ انصاف کا حکم دیتا ہے۔" اسی بات کو مزید صراحت کے ساتھ سورۂ نساء میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ "اے ایمان لانے والو! انصاف کے قائم کرنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو اگرچہ گواہی خود تمھارے یا تمھارے والدین یا اعزا کے خلاف ہو۔ جس کے خلاف دی جا رہی ہے اگر وہ مال دار یا غریب ہے تو اللہ اس کا زیادہ خیر خواہ ہے تو تم خواہشات کی پیروی میں انصاف سے نہ ہٹو۔" اسی لیے اسلام کی نظر میں ارتکاب جرم کے لیے سزا دیتے وقت کسی طرح کا بھی امتیاز روا رکھنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ عہد نبوی ﷺ کا مشہور واقعہ ہے کہ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کے لیے حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا جنھیں آپ ﷺ بہت عزیز رکھتے تھے لیکن جب اس واقعہ کے متعلق اسامہؓ نے آپ ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے

فرمایا!

"لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک کی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے پر جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے۔ لیکن خدا کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ ضرور کاٹا جاتا۔"

اسی لیے نبی کریمؐ کے اس ارشاد گرامی کو بھی ان کے بعد آنے والوں نے اپنا رہنما بنائے رکھا کہ

"قیامت کے دن لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور ان سب سے زیادہ قریب میرے پاس بیٹھنے والا شخص امام عادل ہوگا اور قیامت کے دن سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے سخت عذاب میں مبتلا کیے جانے والا شخص امام ظالم ہوگا۔"

اس ارشاد گرامی کی بازگشت ہمیں اس نصیحت میں بھی ملتی ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین نامزد کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انھیں فرمائی تھی کہ

"عمر پہلی جس چیز کی طرف سے میں تمھیں ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں وہ خود تمھارا نفس ہے۔ ہر نفس کی کچھ خواہش ہوتی ہے اور جب تم اس کی یہ خواہش پوری کر دو گے تو نفس آگے بڑھ کر دوسری خواہش کے لیے مچلنے لگے گا اور دیکھو! ...... اس گروہ سے

ہوشیار رہنا جن کے پیٹ پھول گئے ہیں، نگاہوں میں ہوس بس گئی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے، ان میں سے کسی ایک کے پاؤں پھسل گئے تو ان سب کو حیرانی ہو گی۔ خبردار! یہ ایک تم نہ ہونا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے، جب تک تمھاری روش درست رہے گی یہ لوگ بھی تمھارے لیے سیدھے رہیں گے۔ یہ ہے میری وصیت اور میں تم پر سلام بھیجتا ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب خلیفہ ثانی عمرؓ اپنے افسروں کو رخصت کرتے تو انھیں متنبہ کرتے کہ "میں تمھیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام اور رہنما بنا کر بھیجتا ہوں۔" اس لیے تمھیں لوگوں کو ذلیل کرنے یا ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں بلکہ تمھارا کام تو سہولت اور خوش حالی کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرنا ہے۔ اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان باتوں کو زبانی جمع خرچ نہیں رہنے دیا بلکہ اپنے امیروں اور عاملوں پر کڑی نگرانی رکھی اور کسی کی غلطی کا سخت احتساب کرنے سے اپنے آپ کو کبھی نہیں روکا۔

اسلام نے اپنی شریعت میں مجرموں کے لیے سخت سزائیں رکھی ہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹ دینا وغیرہ۔ انسداد جرم کے لیے سخت سزائیں ناگزیر ہیں کیوں کہ کوئی بھی مہذب معاشرہ مجرموں کی سرپرستی نہیں کر سکتا۔ کسی سماج میں انصاف کے قیام اور اس سے زیادہ

اس کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ان عناصر کو الگ تھلگ کر دے جو اسے اپنے مفسدانہ عزائم کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے ہوں آج کی تمام جدید ترین طبّی ترقی سے فیض یاب معالجین اس پر متفق ہیں کہ جسم کے اس عضو کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے جو پورے نظام جسم کے لیے ہلاکت کا سبب بن سکتا ہو۔ اسلام نے بھی معاشرتی فساد پیدا کرنے والے عناصر سے اسی طرح نمٹنے کا اہتمام کیا ہے مگر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلام ایک عادی مجرم اور اتفاقی و اضطراری طور پر سرزد ہونے والے جرم میں فرق کرتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ صحیح ہے کہ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن عہد فاروقیؓ میں ایک شخص نے چوری کی اور مقامی عدالت نے اس کے لیے اس سزا کا حکم دیا جو اس نے اس فیصلے کے خلاف امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے یہاں اپیل کی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے ارتکاب جرم کیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے کہا پھر قاضی کے فیصلے پر تجھے کیا اعتراض ہے؟ اس نے جواب دیا قاضی نے جرم کو سامنے رکھ کر فیصلہ دیا ہے۔ ان حالات کو پیش نظر نہیں رکھا جن میں اس جرم کا مجھ سے ارتکاب ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین! میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہاں کافی دن سے سخت قحط پڑا ہوا ہے۔ میرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیے جب بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی تو مجھ سے اضطراری طور پر یہ جرم سرزد ہو گیا حضرت عمرؓ پر اس کے بیان کا سخت اثر ہوا۔ آپؓ نے نہ صرف اس

کی سزا معاف کردی بلکہ اس کے علاقے میں غذائی امداد بھیجنے کا حکم بھی صادر فرمایا۔ یہ ان عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ جن کا تفقّہ فی الدین اور اسلام کے معاملے میں شدت پسندی پوری تاریخ اسلام میں انتہائی معروف ہے۔

شریعت محمدیؐ کیوں کہ انسانوں کو ہر طرح کے استحصال سے بچانا چاہتی ہے اور انصاف پر مبنی ایک صالح معاشرہ اس کا مقصود ہے، اس لیے یہ ہر ایسے طریقے، شعار اور نظام کے خلاف ہے جس میں انصاف کے تقاضوں کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسلام اور رسولؐ اسلام کے پیغام و عمل کی روح یہ ہے کہ سماج میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے، جو حق معیشت سے محروم ہو اور نہ کسی فرد کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی کے حق معیشت میں دراندازی بن سکے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی اس آیت هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے لکھا ہے:

> "جملہ اشیائے عالم اس آیت کے تحت تمام بنی آدم کی ملکیت معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں بوجہ رفع نزاع قبضہ کو سبب ملکیت مقرر کیا گیا۔ جب تک کسی شے پر کسی کا قبضہ باقی ہے اس وقت تک کوئی اس میں دست اندازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ حاجت سے زیادہ مال رکھنا بہتر نہیں ہے۔"

احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابن حزم ظاہریؒ نے یہ بھی مسئلہ تحریر کیا ہے کہ

"اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر بیت المال کی آمدنی ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو امیر، ارباب دولت کو اس کی کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی ان کا فاضل مال ان سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو۔ پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو، اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش گرمی، دھوپ اور سیلاب سے محفوظ رکھے"

شریعت محمدیؐ میں سب کا حق معیشت مساوی ہے اس کے علاوہ وہ دولت و سرمایہ داری کے ان اصولوں کی بھی سختی سے مخالف ہے جو جمع خوری، ذخیرہ اندوزی یا ارتکاز دولت سے عبارت ہیں۔ سورۃ توبہ کی یہ آیت اس باب میں بڑی اہم ہے کہ " اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو، اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا، یہ ہے وہ خزانہ

جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔" قرآن کریم اور کتب احادیث میں ان احکام کی ترغیب و ترہیب کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اسی طرح شریعت اسلام میں خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ یا طریقہ جائز نہیں رکھا گیا جو عدل و انصاف کے خلاف ہو اور جس سے استحصال کی ذرا سی بھی بُو، آتی ہو۔ قرآن کریم کہتا ہے :

"اللہ نے خرید و فروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے
اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے۔"

پھر رسالتِ محمدیؐ کے طفیل جو معاشی نظام وجود میں آیا اس میں کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کا بھی پوری طرح تحفظ کیا گیا۔ مثال کے طور پر کسان اگر کسی وجہ سے کھیتی کرنے سے معذور ہو جاتا یا اس کی کھیتی کسی آفت کی وجہ سے برباد ہو جاتی یا وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا تو ان تمام صورتوں میں سرکاری خزانے سے اس کی مدد کی جاتی اور آلات زراعت وغیرہ کی فراہمی اور بیج وغیرہ کے انتظام میں اس کو سہولت پہنچائی جاتی تھی۔ بنجر زمین کی آباد کاری میں کسانوں کو کسی قسم کی رکاوٹ و دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ خلافت اس سلسلے میں ان کی تمام مشکلات رفع کرتی تھی۔

افسرانِ بندوبست کو ٹیکس وصول کرنے کے طریقوں کی ہدایت کی جاتی تھی اور انھیں مارپیٹ اور سختی نہ کرنے کی انتہائی تاکید کی جاتی تھی۔ مثلاً قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کے ذمہ حضرت علیؓ نے ایک مقام کا بندوبست سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ ٹیکس وصول کرنے

میں کسی کو کوڑا نہ مارنا، غلّہ اور گرمی و سردی کے کپڑے فروخت نہ کرنا ان کے جانوروں کو نہ بیچنا اور تقاضے کے لیے ہر وقت ان پر کسی کو مسلط نہ کرنا،، افسر نے ہدایات سن کر جواب دیا کہ،، اس طرح ایک پائی بھی کوئی شخص نہ دے گا اور خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا،،
امیر المومنین حضرت علیؓ نے جواب دیا،، ہاں چاہے تمھیں خالی ہاتھ ہی واپس آنا پڑے۔ افسوس ہے تم پر! ہمیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ ان کی ضرورت سے زائد ہو بس اسی میں سے یہ ٹیکس وصول کریں،،

اسی طرح مزدوروں کے حقوق کی وضاحت حضور رسالت مآبؐ نے اس طرح کی کہ ان کا رشتہ اپنے مالکوں سے حاکم و محکوم کا نہ رہ کر برادرانہ اور مساویانہ ہو گیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

،، مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیا کرو،،

،، جو شخص مزدور سے کام لے کر اس کو اجرت نہیں دیتا ہے۔ قیامت کے دن میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) خود اس کے خلاف مقدمہ دائر کروں گا،،

محسن انسانیتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ مزدور پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جو اس کی برداشت سے زیادہ ہو۔ وقت اور کام کی نوعیت دونوں میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا۔ اگر طاقت سے زیادہ کوئی بوجھ کسی مزدور پر ڈالا جائے تو اس کو تنہا نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے۔

سماجی و معاشی انصاف کا یہی وہ مثالی نظام تھا جس کی بنا پر ہزاروں سال سے چلا آرہا غلامی کا نظام لڑکھڑا گیا کیوں کہ غلاموں کا سماجی مرتبہ پرانے رویوں سے ہٹ کر بہت اعلا وارفع کر دیا، غلاموں کے حقوقِ انسانی کی طرف نہایت زور و شور سے توجہ دلائی غلاموں کے آزاد کرنے اور کرانے کو بے انتہا ثواب کا کام قرار دیا۔ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ غلاموں کے ساتھ شفقت و ہمدردی کا معاملہ اور شریفانہ برتاؤ کرنا چاہیے۔ حقارت آمیز و ذلت انگیز طریق معاشرت سے احتراز کر کے دکھایا۔ مثال کے طور پر سیدنا بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیبؓ رومی کے مقامات بلند سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ تاریخ نے یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اللہ کے آخری رسولؐ نے اشراف قریش و دیگر معزز قبائل کے افراد پر مشتمل لشکر کی سرداری ایک غلام زادے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو عطا کی اور جب عہدِ صدیقیؓ میں یہ لشکر روانہ ہو سکا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی پرانی نسلی رفعت و عظمت کے احساس سے عاری اسامہؓ کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ کچھ دور پیدل جاتے ہیں۔ ان ہی حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہؓ سے کون واقف نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "اگر زید زندہ ہوتے تو خلافت میرے باپ کے بجائے انھیں ملتی"۔

غرض عشق رسولؐ نے وہ آداب خود آگاہی سکھائے کہ تاریخ اسلام میں غلاموں پر اسرار شہنشاہی کے تمام بابِ طلسم کھل گئے

اسوۂ محمدیؐ نے غلاموں کے لہو کو بھی سوز یقین سے اس طرح گرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ان کے آزاد کردہ غلام عکرمہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ان کے آزاد کردہ غلام نافعؒ حضرت انسؓ بن مالک کے ساتھ ان کے آزاد کردہ غلام ابن سیرینؒ اور حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ ان کے آزاد کردہ غلام عبدالرحمٰن کا ذکر ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔

اسی طرح اسلام نے اللہ اور اس کے محبوب نبیؐ کی رہنمائی میں تاریخ انسانی کے اس وقت تک کے سب سے کمزور طبقے یعنی عورتوں کے سماجی درجات کو اس طرح بلند کیا کہ دنیا دیکھتی رہ گئی یہ نبی رحمتؐ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی ہی برکت تھی کہ عورت کے ساتھ قدیم زمانے سے چلے آرہے مردوں کے تعصبات اور ظلم وستم اور ناانصافیوں کا خاتمہ ممکن ہوسکا۔ اسلام نے یہ اصول قائم کیا کہ عورت کے حقوق بھی اس کے فرائض جیسے ہیں یہ حکم بھی دیا کہ عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاسکے، یہ بھی بتایا کہ خدا نے بیوی وشوہر میں محبت ومودت ودیعت کی ہے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کیے جانے سے روک دیا، وراثت میں عورتوں کا حصہ مقرر کیا۔ اسلام نے یہ قانون بھی دیا کہ نکاح سے عورت پر مرد کو صرف ازدواجی حق حاصل ہوتا ہے۔ نکاح سے عورت کی آزادی سلب نہیں ہوجاتی۔ اسلام نے عورت کو مرد کی طرح تقریباً سارے سماجی حقوق ادا کیے لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں کا خیال رسول اللہؐ نے رکھا۔ آپؐ کی حدیث ہے کہ

"جس شخص کو اپنی بچیوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا
گیا، پھر اس نے ان بچیوں کے ساتھ اچھا سلوک
کیا تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے ڈھال بن جائیں گی"

۶

تاریخ کی یہ عجیب ستم ظریفی بلکہ بدنصیبی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن دور میں ایک بار پھر دنیا اپنی اخلاقی اور سماجی حالت میں وہیں پہنچ گئی ہے جہاں سے اسے رحمتہ للعالمین ؐ نے نکالنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ کیوں کہ عصر جدید کی علمی و فنی ترقیوں نے جہاں ایک طرف پوری دنیا کو سمیٹ کر ایک گاؤں بنادیا ہے، ذرائع نقل و حمل اور مواصلات کی لامحدود آسانیوں نے دنیا کے ہر انسان کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ، فراق و فصل، کے تصورات بے معنیٰ ہو کر رہ گئے ہیں۔ زمین کی طنابیں کھنچ جانے سے، زمان و مکان، کی بحث بھی فلسفے کی کتابوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیوں نے جہاں ایک طرف انسان کے لیے عیش و عشرت اور سہولتوں کے بے انتہا مواقع اور ساز و سامان فراہم کر دیے ہیں، وہیں دوسری طرف اس نے سماجی رشتوں کی شکست و ریخت، سماجی و نفسیاتی الجھنوں کے ناقابل برداشت دباؤ، مشینی و میکانکی شور شرابے، صارفینی کلچر کے عروج، دولت کے یک طرفہ بہاؤ اور بھوک اور افلاس کے بڑھتے ہوئے دائروں کو بھی جنم دیا ہے۔

اس صورت حال کا انسانوں کی انفرادی زندگی پر ایک اور منفی اثر مرتب ہوا اور وہ یہ کہ ہر شخص اپنی ہی ذات کے گرد طواف میں مصروف ہو گیا ہے۔ اب فرد کے یہاں غمِ زمانہ کی جگہ دردِ تنہائی نے لے لی ہے۔ غرض وہ انسان جو کل تک ضمیرِ دشت و دریا تھا، آج نئی زندگی نئے شہری نظام اور مشینی تہذیب نے اسے اسیرِ آشنا بنا دیا اور اس طرح ایثار، خلوص، قربانی، محبت اور باہمی احترام کے جذبوں کی جگہ لالچ، خود غرضی، مکر و فریب، تعصب اور عناد نے لے لی ہے۔ اس صورت حال کا اثر اجتماعی زندگی پر بھی پڑا ہے اور انسان جسے حضرت عمر فاروق رضؓ کے بقول اس کی ماں نے آزاد جنا تھا ایک بار پھر خواجگی کے بنائے ہوئے نسل، قومیت، مذہبی اجارہ داری، سلطنت، تہذیب اور رنگ کے نئے مسکرات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔ آزادی جو انسانیت کی اصل پناہ گاہ تھی وہ دنیا کے گرد بھاگتے پھرنے پر مجبور کر دی گئی، آمریت کی آہنی ضربوں سے سماجی انصاف، حریت، مساوات، اخوت اور نوخیز جمہوری اداروں کو فنا کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ آئین بازیچۂ اطفال بن گئے ہیں اور پھر رہی سہی کسر عالمی سطح پر جاری اس کشاکش نے پوری کر دی، جس کے نتیجے میں آج ساری دنیا کے انسانوں میں خوف کی نفسیات، جارحانہ مدافعت کا جذبہ اور دہشت گردی کا چلن عام ہو گیا ہے۔

آج کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ بھلا اس صورت حال سے کس طرح نمٹا جائے؟ ہمارے پاس اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ آج کے ان سارے مسائل کا حل صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوۂ حسنہ میں ہے۔ آج زخموں سے چور انسانیت کے لیے شفایابی کا نسخہ اور مرہم اسی طبیب حاذق کی سنت میں ہے جس سے چودہ سو سال سے بھی پہلے انتہائی کامیاب علاج کیا تھا۔ اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے آج بھی سماجی انصاف، انسانی حقوق اور حریت و مساوات و اخو کی اساس عرفات کے لق و دق میدان میں جلی ہوئی پہاڑیوں اور جھلسی ہوئی زمین پر باد بہاری اور ابر باراں کی تاثیر رکھنے والے اسی مژدۂ جانفزا میں ہے جسے جبلِ رحمت سے نبیٔ رحمتؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں دیا تھا!

خطبۂ حجۃ الوداع، وحدت اللہ اور وحدت آدم کا ایسا آفاقی اعلان نامہ ہے جسے انسانی تہذیب کے روحانی، دانش ورانہ اور تخلیقی سفر کی منزلِ مراد کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر انسانی تہذیب کے انتہائے کمال کو زبان میسر آجائے تو اس سے بالکل وہی الفاظ جاری ہوں گے جو اس خطبے میں نبی آخر الزماںؐ کی زبان سے ادا ہوئے۔ یہ اعلان اس ازلی و ابدی انسانی موقف کی حتمی دستاویز ہے کہ تمام انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان کا خالق ایک ہے اور مورث اعلا ایک ہے اور سب انسانوں کی تخلیقی ساخت ایک ہے یعنی مٹی۔ یہ اعلان ایک ایسی تلوار ہے جس نے انسانوں کے دل و دماغ اور نفس کے گرد لپٹی رنگ و نسل، ذات برادری، خاندان اور طبقوں کی زنجیریں کاٹ کر رکھ دیں اور انسانی روح کو اس کے بے پناہ تخلیقی امکانات سے آشنا کیا اور اس کی فطری صلاحیتوں کو پھلنے، پھولنے کا ایسا وسیع میدان عطا کیا جہاں ہر چیز کا معیار صرف انسانی عمل ہے۔ ایسا انسانی عمل جو تقویٰ اور پرہیز گاری سے عبارت ہو۔

لیکن یہ اعلان نامہ محض لفظوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان لفظوں کی بنیاد پر جو انسانی معاشرہ وجود میں آیا وہ فرد کی آزادی، فرد و معاشرے کے مابین رشتے کے توازن، انسانی صلاحیتوں کے اعلاترین تخلیقی اظہار اور اخلاقی و روحانی پاکیزگی کے لحاظ سے آج تک اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

دوسری طرف حقوق انسانی کا وہ منشور ✩ ہے جسے ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے منظور کیا۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے چودہ صدیوں کے بعد جاری ہونے والا یہ اعلان جو دنیا کے تقریباً تمام ملکوں کے اعلاترین دماغوں کی دانشورانہ و تخلیقی کاوشوں کا ثمرہ ہے، ہر لحاظ سے بصیرت محمدیؐ کے نور میں نہایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے تہذیبی و سیاسی زوال کے بعد انسانی تاریخ جن گلی کوچوں اور شاہراہوں سے گزری ہے ان پر اسے کئی انقلابی تبدیلیوں کا تجربہ کرنا پڑا ہے۔ دانش یورپ کا احیاء روشن خیالی کی تحریک، انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس اس سفر کے کچھ سنگِ میل ہیں۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ دنیا کو تاریخ کی ان سنگلاخ وادیوں میں یوں نہ بھٹکنا پڑتا اور اس تہذیبی اذیت کے تجربے نہ کرنے پڑتے اگر وہ اسلام کے روحانی و دانشورانہ عرفان و آگہی سے وابستہ رہی ہوتی۔ آج دنیا کے پاس حقوق انسانی کا منشور تو ہے، حقوق انسانی کا احترام نہیں کیونکہ وہ اس روحانی قوت، خلوصِ نیت اور جرأت عمل سے محروم ہے جسے محمد رسول اللہ صلعم کی معجزہ کار شخصیت نے انسانوں کے پیکرِ خاکی میں ایک برقی رَو کی طرح دوڑا دیا تھا۔ وَمَا علینا الا البلاغ

✩ خطبۂ حجۃ الوداع اور مجلس اقوام متحدہ کے انسانی منشور کے متون اس خطبہ کے آخر میں ضمیمے کے طور پر شامل کر دیے گئے ہیں۔

خطبۂ حجتہ الوداع

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپؐ نے قصوا (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی تو آپؐ داس پر سوار ہو کر، بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آپؐ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی:
خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آیندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کرسکوں گا)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں

بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے،،
چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقوا ہے۔
انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:
قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمھاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔
قریش کے لوگو! خدا نے تمھاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمھارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمھارے خون و مال اور عزّتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لیے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمھارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پُرس فرمائے گا۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سُود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سُود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں

کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر خدا کی لعنت۔

قرض قابلِ ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو، اور خوشی خوشی دے خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

دیکھو! تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمھارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے۔ کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ، پہناؤ۔

عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیونکہ وہ تمھاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمھارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے اگر اس پر قائم رہے، اور وہ خدا کی کتاب ہے،

اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انھی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے، اسی لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جُرم کا ذمّے دار ہو گا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے۔؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپؐ نے حقِ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا "خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا!

(ماخوذ از نقوش سیرت نمبر جلد دوم، ترجمہ حکیم محمد نعیم الدین زبیری، لاہور، صفحات ۳۹-۳۴)

اقوام متحدہ کا منشور حقوق انسانی

۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حقوق انسانی سے متعلق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک اہم تاریخی عالمی منشور منظور کیا، جو حقوق انسانی کے تحفظ اور انسانوں کی عظمت کے شعور کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ منشور انسائیکلو پیڈیا آف دی یونائیٹڈ نیشنس اینڈ انٹرنیشنل ایگریمنٹ (مطبوعہ گریٹ برٹین ۱۹۹۰ء صفحات ۳-۴۰۲) میں درج ہے۔ جناب صلاح الدین صاحب مدیر ہفت روزہ تکبیر، کراچی نے اپنی مشہور کتاب "بنیادی حقوق" میں اس کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں یہ منشور جو ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے، محولہ بالا کتاب سے نقل کیا جا رہا ہے:

(۱) تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وقار و حقوق کے معاملہ میں مساوی الحیثیت ہیں۔

(۲) ہر فرد نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی و سماجی حیثیت، املاک، پیدائش یا کسی اور حیثیت اور کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر اس منشور میں صراحت کردہ تمام حقوق اور

آزادیوں کا مستحق ہو گا۔

(۳) ہر فرد کو زندہ رہنے، آزاد رہنے اور اپنی جان کی حفاظت کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۴) کسی بھی شخص کو نہ غلام بنایا جائے گا اور نہ محکوم رکھا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر شکل ممنوع ہو گی۔

(۵) کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم وستم، غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک یا سزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

(۶) ہر فرد کو قانون کی نظر میں بحیثیت فرد ایک تسلیم شدہ حیثیت حاصل ہو گی۔

(۷) قانون کی نگاہ میں سب کی حیثیت مساوی ہو گی اور انھیں کسی امتیاز کے بغیر یکساں قانونی تحفظ حاصل ہو گا۔

(۸) ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف با اختیار قومی ٹربیونل کے ذریعہ موثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہو گا۔

(۹) کسی شخص کو بلا جواز گرفتاری، نظر بندی یا جلاوطنی کی سزا نہیں دی جاسکے گی۔

(۱۰) ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لیے آزاد وخود مختار اور غیر جانبدار ٹربیونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہو گا۔

(۱۱) ا۔ کسی تعزیری جرم کی صورت میں ہر فرد کو اس وقت تک بے قصور سمجھے جانے کا حق حاصل ہو گا جب تک ایسی کھلی عدالت میں اسے قانون

کے مطابق مجرم ثابت نہ کر دیا جائے جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

۲۔ کسی فرد کو کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بناء پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا جو فی الواقع قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ ہو۔

(۱۲) کسی فرد کی خلوت، گھریلو زندگی، خاندانی امور اور خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی عزّت و آبرو پر حملہ کیا جائے گا۔

(۱۳) ا۔ ہر فرد کو اپنی حدود ریاست میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔

۲۔ ہر فرد کو بیرون ملک جانے اور اپنے ملک واپس آنے کا حق حاصل ہو گا۔

(۱۴) ا۔ ہر فرد کو ظلم و تشدد سے بچنے کے لیے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہو گا۔

۲۔ غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کے منافی اعمال کے سلسلہ میں مقدمات سے بچنے کے لیے یہ حق قابلِ استعمال نہیں ہو گا۔

(۱۵) ا۔ ہر فرد کو شہریت حاصل کرنے کا حق ہو گا۔

۲۔ کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق سلب کیا جائے گا۔

(۱۶) ا۔ ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت یا عقیدہ شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہو گا۔

۲۔ شادی زن و شوہر کی آزادانہ مرضی و منظوری سے ہو گی۔

۳۔ خاندان، معاشرہ کا بنیادی اور فطری یونٹ ہے جو ریاست اور معاشرہ کی طرف سے مکمل تحفّظ کا مستحق ہے۔

(۱۷) ۱۔ ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائداد رکھنے کا حق ہوگا۔

۲۔ کسی کو بلا جواز اس کی ملکیّت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۸) ہر فرد کو فکر و خیال، ضمیر اور عقیدے کی آزادی حاصل ہوگی اور اس حق میں تبدیلی عقیدہ، اظہار عقیدہ، تبلیغ عقیدہ اور عبادت کا حق بھی شامل ہے

(۱۹) ہر فرد کو آزادی اظہار خیال کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر کوئی بھی رائے رکھنے، کسی بھی ذریعہ سے اور سرحدوں کا لحاظ کیے بغیر خیالات و معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

(۲۰) ۱۔ ہر فرد کو پُرامن اجتماع و تنظیم کا حق حاصل ہے۔

۲۔ کسی کو کسی خاص تنظیم سے وابستہ ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۱) ۱۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا منتخب نمایندوں کے ذریعہ شرکت کا حق ہے۔

۲۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق حاصل ہے۔

۳۔ حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و مرضی ہوگی جس کا اظہار انتخابات کے ذریعہ آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی کی صورت میں ہوگا۔

(۲۲) ہر فرد کو اپنی باوقار زندگی اور تعمیر شخصیت کے لیے سماجی تحفّظ

کا حق ہوگا اور وہ قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا مستحق ہوگا۔

(۲۳) ۱۔ ہر فرد کو کام کرنے، اپنی پسند کا پیشہ منتخب کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائطِ کار حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفّظ پانے کا حق ہوگا۔

۲۔ ہر فرد کو بلا امتیاز یکساں کام کی یکساں اجرت ملے گی۔

۳۔ ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لیے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کر سکے اور ضروری ہو تو اس کے سماجی تحفظ کے لیے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کیے جائیں۔

۴۔ ہر فرد کو اپنے مفادات کے تحفّظ کے لیے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شامل ہونے کا حق حاصل ہوگا۔

(۲۴) ہر فرد کو راحت و آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق ہوگا۔

(۲۵) ۱۔ ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت و خوشحالی کے لیے معقول معیار زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے جس میں خوراک، لباس رہائش، طبّی امداد، ضروری سروس، بیروزگاری، بیماری، معذوری بیوگی، بڑھاپے اور اسی نوعیّت کے دوسرے حالات میں تحفّظ بھی شامل ہے۔

۲۔ زچگی و شیر خوارگی کو خصوصی توجّہ اور امداد کا مستحق سمجھا جائے گا

اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

(۲۶) ۱۔ ہر فرد کو حصولِ تعلیم کا حق حاصل ہے۔

۲۔ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔

۳۔ والدین کو اپنے بچوں کے لیے نوعیت تعلیم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا

(۲۷) ۱۔ ہر فرد کو معاشرہ کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے علوم و فنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

۲۔ ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنّی تخلیقات کے اخلاقی و مادی ثمرات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲۸) ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

(۲۹) ۱۔ ہر فرد پر اس معاشرہ کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

۲۔ اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلہ میں ہر شخص صرف قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرہ میں رہے گا جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے۔

۳۔ ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے

منافی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۰) اس منشور کے کسی بھی حصّے کی ایسی تعبیر نہیں کی جا سکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروپ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلانا ہو جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کر دے۔

اس منشور میں جن حقوق اور آزادیوں کا اعلان کیا گیا ہے انھیں بعد میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک فہرست میں معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو یکجا کر دیا گیا اور دوسری فہرست میں شہری اور ریاستی حقوق کو جنرل اسمبلی نے ۱۹۶۶ء میں ان دو عہد ناموں COVENANTS کی منظوری دی اور رکن ریاستوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ جو ملک رضا کارانہ طور پر ان حقوق کو تسلیم کرتا ہو وہ ان عہد ناموں پر دستخط کر دے۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس سلسلہ میں مزید کچھ کام کیا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں اس نے بچّوں کے حقوق سے متعلق اور ۱۹۶۳ء میں نسلی امتیاز کے انسداد کے لیے ایک اعلان جاری کیا۔ جنرل اسمبلی نے ۱۹۴۸ء میں نسل کشی کی روک تھام کے لیے ۱۹۵۱ء میں مہاجرین اور جلاوطن لوگوں کے تحفظ کے لیے ۱۹۵۲ء میں خواتین کے سیاسی حقوق کے لیے ۱۹۵۷ء میں شادی شدہ عورتوں کی قومیّت کے تعیّن کے لیے ۱۹۵۱ء میں غلامی کے مکمل انسداد اور خاتمہ کے لیے اور ۱۹۶۵ء میں جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کی مذمت کے لیے مختلف عہد نامے اور قرار دادیں منظور کیں۔

اقوام متحدہ کے خصوصی اداروں مثلاً بین الاقوامی ادارہ محنت ILO یونیسکو، بین الاقوامی ادارہ مہاجرین IRO اور ہائی کمشنر برائے مہاجرین نے بھی اپنے اپنے دائرہ عمل میں انسانی حقوق کے تعین و تحفّظ کے لیے قابل ذکر کام کیا ہے۔ ●●